حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ العالی

قسط نمبر ۸

دوام حدیث

ایک سلام

پانچواں باب، حدیث پر ایک مکالمہ:

اس باب میں مصنف نے ایک مکالمہ ذکر کیا ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مکالمہ کو تھوڑی تبدیلی کے ساتھ ذکر کروں جس میں مصنف کی سب باتیں قریب قریب آجائیں۔

مصنف "دو اسلام" نے اس مکالمہ کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ یہ ہمارے علماء کا خیال ہے کہ حدیث وحی خفی ہے مگر اس مقالہ کے متعلق جو صحیح بات ہے، لکھ چکا ہوں۔ یہاں بھی بطور تمہید ذکر کر دیتا ہوں تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

حدیث قولی کا کچھ حصہ تو اسی طرح وحی ہے جس طرح قرآن مجید یعنے بذریعہ جبرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہنچا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن متلو ہے اور یہ حصہ متلو نہیں۔ ان احادیث میں سے بعض میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔ ان کو احادیث قدسیہ کہتے ہیں۔

اور بعض احادیث وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ پس پردہ باتیں کہیں۔ ان میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کا لفظ ہو تو احادیث قدسیہ ہی کہتے ہیں۔

اور بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی عطا فرمائیں۔

بعض وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ خواب آگاہ کیا گیا اور بعض دفعہ بذریعہ کشف کچھ حالات بتائے گئے۔ . . . ان تمام کو وحی ہی کہتے ہیں۔

بعض احادیث وہ ہیں جو جبرائیلؑ نے عمل کر کے دکھائیں جیسے پانچ نمازیں۔ یہ بھی حقیقت میں وحی ہی ہیں۔

اور بعض حدیثیں ایسی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے استنباط کر کے کہی ہیں۔ اور آپ کی عملی روایات جن کا تعلق دین سے ہے۔ وہ سب کی سب قرآن سے ماخوذ ہیں۔ یا دوسری صورت میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے واقف ٹھہرایا ہے۔

اور جو تقریری حدیثیں ہیں، ان کا تعلق اگر دین سے ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز نہیں سمجھا۔

اور بعض روایات ایسی ہیں جن کا تعلق آپؐ کی قبل از بعثت کی زندگی سے ہے۔ یا اس میں آپؐ کی شکل و صورت، ولادت اور تربیت کا ذکر ہے، ان کو وحی یا دین نہیں کہہ سکتے، یعنی ہمارے لئے وہ چیزیں دین کی نہیں ہیں۔ یعنی ہم ان امور میں آپ کی اقتدار کرنے کے مامور نہیں۔

باقی رہیں وہ باتیں، جن کا تعلق امور دنیا سے ہے۔ مثلاً روٹی کھانا، پانی پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، مرد و عورت کے تعلقات اور دوسرے دنیوی امور۔ یہ سب ایسے ہیں کہ آپؐ اپنی عادت اور طبیعت کے موافق کرتے تھے۔ مگر ان امور میں آپؐ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ اس واسطے ان افعال سے جواز تو ثابت ہوتا ہے اگرچہ ان کا وحی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس بنا پر آنحضرتؐ کے بعثت کے بعد کے تمام افعال کو ہم بطور حجیت تسلیم کرتے ہیں۔ یہ معنی ہے وحی خفی کا، یعنی آپؐ کی تمام تر زندگی اس معنی سے معصوم تھی کہ آپؐ نے جو کیا، حکم الٰہی کے مطابق کیا، خدا کی نافرمانی نہیں کی۔ اگر کسی وقت آپؐ سے کوئی ایسی بات سرزد ہوتی جو منشائے الٰہی کے مطابق نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فوری طور پر آپؐ کو اس سے مطلع فرما دیتے۔

قائل حدیث: حدیث قرآن کا بیان اور اس کی عملی صورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا یا قرآن سے سمجھا یا قرآن کی تفسیر میں ارشاد فرمایا، لہٰذا قرآن کی طرح حدیث بھی حجت ہے۔

منکر حدیث: قرآن کی طرح حدیث کیسے ہو سکتی ہے؛ حدیث اگر آنحضرت صلعم کی سمجھ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ قرآن کی طرح نہیں۔ یا تفسیر ہے تو تفسیر بھی سمجھ ہے لہٰذا حدیث کو قرآن کی طرح خیال نہیں کر سکتے۔

قائل حدیث: آپ نے میرا مطلب نہیں سمجھا، میں حدیث کو کل الوجوہ قرآن کی طرح نہیں سمجھتا بلکہ حجت ہونے میں قرآن کی طرح سمجھتا ہوں۔ کچھ حصہ قطعاً بذریعہ وحی ہے اور جو بذریعہ وحی نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف کوئی اصلاحی بات نہیں کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے متعلق ہو گئی ہے۔

منکر حدیث : اگر حدیث کا کچھ حصہ بذریعہ وحی ہے اور باقی حصہ اگرچہ بذریعہ وحی نہیں، مگر وحی کی طرح ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے قرآن کو لکھنے اور محفوظ رکھنے کے لئے تمام تر انسانی وسائل اختیار کئے لیکن حدیث کو نہ صرف نظر انداز کر دیا بلکہ حضورؐ نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا اور صدیق و فاروق نے احادیث کو مٹانے اور جلانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کی، حدیث اللہ کا پیغام ہو اور صحابہ اسے جلاتے پھریں، کیوں؟

قائل حدیث : آپ کو بعض غلط روایات کا دھوکہ ہوا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے تو اپنا رویہ یہی رکھا کہ مسائل کا قرآن اور حدیث کی رو سے فیصلہ کرتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب جس میں زکوٰۃ کا مسئلہ مفصل لکھا ہوا تھا، اس کی ایک نقل حضرت انسؓ کو لکھوا دی۔ اسی طرح باقی عمال کو اس کی نقلیں لکھوا کر بھجوا دیں۔ جیسے قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں منتشر تھا، ایک جگہ کسی مصحف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لکھوایا، اسی طرح احادیث کو متفرق طور پر لکھوایا مگر وہ سب اجزا منتشر تھے، احادیث کو جلانے اور مٹانے کی روایات سب غلط ہیں جیسا کہ میں نے پہلے ثابت کیا ہے۔

منکر حدیث : اللہ تعالیٰ نے یہ دو قسم کے پیغامات کا سلسلہ کیوں شروع کیا تھا، کیا اللہ کے خزانہ میں الفاظ کی کمی تھی؟ یا کوئی خاص مصلحت اس دورنگی کی متقاضی تھی؟

قائل حدیث :

قرآن مجید بمنزلہ متن کے ہے اور حدیث بمنزلہ بیان کے ہے۔ اصل اور بیان میں جو فرق ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے لئے الگ الگ طریقہ ہو۔ اگرچہ بعض احادیث قرآن کی طرح من جانب اللہ ہیں مگر پھر بھی درجہ بیان کا رکھتی ہیں۔ اگرچہ حدیث کے مطلع کرنے کا طریقہ الگ الگ قرآن کی حفاظت کے ساتھ ملتا جلتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

منکر حدیث : بات تو صاف ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو جو کتاب بذریعہ وحی عطا فرمائی تھی، اس کا نام قرآن ہے نہ کہ صحیح بخاری، "واوحینا الیک ھذا القرآن" کہ ہم نے تیری طرف اس قرآن کو وحی کیا۔ وحی کے لفظ میں وحی کے تینوں مفہوم لازماً آجاتے ہیں، اللہ نے سارے قرآن میں کہیں نہیں کہا کہ وحی بواسطہ جبریل ہم قرآن اتار رہے ہیں اور وحی کے باقی طریقے حدیث کے نازل کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

قائل حدیث : ہم بھی یہ نہیں کہتے کہ قرآن کے ساتھ ایک کتاب قرآن کی طرح بمنزلہ متن کے ہے، ہم تو یہ کہتے ہیں، اصل کتاب قرآن ہی ہے، حدیث اس کا بیان اور تفسیر ہے خواہ وہ حدیث بخاری کی کتاب میں ہو یا

مسلم کی کتاب میں یا کسی دیگر کتاب میں۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے بواسطہ جبریل ہی قرآن نازل ہوا ہے، "نزل بہ الروح الامین" اس کو روح الامین نے نازل کیا۔

ایک جگہ فرمایا:

"نبانی العلیم الخبیر" (تحریم)

مجھے علیم و خبیر نے بتایا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیثیں بھی من جانب اللہ ہیں اور جو اجتہادی ہیں، وہ بھی حکماً من جانب اللہ ہیں۔ آیت "فردوہ الی اللہ و رسولہ" (کہ اپنے جھگڑے کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول سے کراؤ) سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرآن کی طرح حجت ہے۔

اسی طرح یہ آیت بھی ہمارے اس دعویٰ کی موید ہے:

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی"

کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔

اس کے بعد فرمایا:

"قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکافرین"

کہ اللہ اور رسول کا حکم مانو، اور اگر پھر جائیں (تو کافر ہیں) اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کا حکم ہے۔ یہ آیات صراحتہً دلالت کرتی ہیں کہ حدیث کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ایمان پر موقوف ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ "وحی کے لفظ میں وحی کے تینوں مفہوم آجاتے ہیں" بالکل خلاف عرف و عقل ہے۔ وحی کے مفہوم میں اگرچہ تینوں مفہوم درج ہیں مگر استعمال میں ضرور نہیں کہ تینوں مفہوم مراد ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ جہاں لفظ وحی ہو وہاں تینوں مفہوم مراد ہوں اور یہ بداہتہً باطل ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہاں وحی سے صرف ایک ہی طریقہ مراد ہے جیسا کہ قرآن نے خود صراحت کی ہے۔ قرآن نے جب تکلم کے تین طریقوں کو بصیغہ امر بیان کیا ہے جس کا مطلب تقسیم ہے، اب ہر وحی میں ان تینوں طرف درج کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

منکر حدیث:

قرآن سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہی بصورت وحی نازل ہوا ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے:

"انما اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ"

کہ تمہیں ڈرانے کے لئے مجھ پر قرآن نازل ہوا ہے۔

. . . اور آپ کہتے ہیں، حدیث بھی ساتھ اتری ہے - ایک اور آیت دیکھئے :

"انا انزلناہ قرآنا عربیا"

ہم نے قرآن نازل کیا جو عربی زبان میں ہے ۔

اور اسی طرح محفوظ ہے :

"لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ومن خلفہ"

اس میں باطل کسی راستے داخل ہو ہی نہیں ہو سکتا - اور دوسری طرف حدیث کا باطل نے ایسا پلستر بگاڑا کہ لاکھوں آفتاب ماہتاب لے کر ڈھونڈو تو حقیقت کا سراغ نہ لگ سکے ، الا ماشاء اللہ!

قائل حدیث :

آپ نے پہلی آیت میں لفظ "انما" بڑھا دیا ہے اور قرآن میں یہ نہیں ، اس سے آپ کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ قرآن میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا - اگر کہیں ، اگر چہ میں نے غلطی سے اس لفظ کو بڑھایا ہے یا عمداً کہا ہے تاکہ میرا دعویٰ حصر والا درست ہو جاوے ، مگر پھر بھی میری چوری ظاہر ہو گئی اور حقیقت کا سراغ مل گیا - میں کہتا ہوں ، اگر آپ بنظر غور دیکھیں گے تو حدیث کے متعلق بھی یقین ہو جائے گا کہ حدیث کے بارہ میں بھی اگر چہ قرآن کی طرح لوگوں نے سہواً یا عمداً اضافے کئے ہیں مگر ان کی چوری کا پتہ بھی لگ ہی گیا - کیونکہ قرآن متن ہے اور حدیث اس کا بیان ، اگر صرف متن ہی کی حفاظت ہو اور بیان کی حفاظت نہ ہو ، اصل مقصد چونکہ مفہوم ہوتا ہے نہ لفظ ، جب مفہوم کا مطلب کچھ سے کچھ ہو گیا تو متن ، (قرآن) میں بھی باطل راہ پا گیا - پس قرآن کی حفاظت تامہ ایسی صورت میں متصور ہوتی ہے جب اس کے بیان کی بھی حفاظت ہو - سو الحمد للہ ، اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس کے بیان (حدیث) دونوں کی حفاظت کر کے (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں) قرآن کو باطل سے بالکل محفوظ کر دیا ہے - آپ کے خیال میں صرف لفظوں (چھلکے) کی حفاظت ہوئی ہے نہ مفہوم کی -

منکر حدیث : آپ نے آیت "اطیعو اللہ واطیعوا الرسول" (اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کرو) پڑھی مگر پوری آیت نہیں پڑھی ، "واولی الامر" کو چھوڑ گئے ہیں - ساری آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ ، رسول اور حاکم وقت (جو تم میں سے ہو) کو مانو ، اگر رسول کی اطاعت کا یہی مطلب ہے کہ آپ کے تمام اقوال پر ایمان لاؤ تو پھر حاکم وقت کے اقوال پر بھی ایمان لانا پڑے گا کیونکہ اللہ نے اس کی اطاعت کا بھی ویسے ہی حکم دیا ہے ، کئی بادشاہ مصنف بھی تھے ، مثلاً بابر نے "تزک بابری" لکھی ، جہانگیر نے "تزک جہانگیری" اور اورنگزیب کی بھی ایک آدھ کتاب موجود ہے ، یہ اپنے زمانے میں اولی الامر تھے ، کیا ہم تزک بابری اور جہانگیری پر بھی

قائل حدیث : آپ نے بے سوچے سمجھے بات کہہ دی ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔

۱ ۔ اللہ کے رسول کی اطاعت مطلق ہے اور اولی الامر کی اطاعت اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو ۔ اسی واسطے نزاع کی صورت میں صرف اللہ اور اسکے رسول کا ذکر کیا ہے ، فرمایا :

"فردوہ الی اللہ ورسولہ"

کہ اللہ اور اس کے رسول صلعم کی جانب لے آؤ "

۲ ۔ امیر کی اطاعت اس کے زمانہ کے ساتھ مختص ہے ۔ رسول کی اطاعت دائمی ہے ۔ مطلق اور دوام کا اگر آپ فرق کرتے تو یہ نہ کہتے کہ " تو کیا ہم ترک بابری اور ترک جہانگیری " پر ایمان لاتے پھریں ؟" اگر ان کے احکام قرآن وسنت کے خلاف ہیں تو ان کی اطاعت ان کے وقت بھی منع تھی ، اگر خلاف نہیں ، صرف وقتی باتیں تھیں تو بعد میں ان پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ جب آپ خود کہتے ہیں کہ اقوالِ رسول پر ایمان لانا بھی ٹھیک ہے ، بشرطیکہ کہیں سے کوئی قول رسول مل جائے تو پھر اقوالِ رسول کے قابلِ ایمان ہونے نہ ہونے کی بحث فضول ہے ۔ آپ کو صرف حدیث کے محفوظ ہونے پر بحث کرنی چاہیئے ۔

اور جو احادیث تواتر سے ثابت ہیں جیسے اذان و اقامت ، پنج وقتی نمازیں ، ان کی تعداد وغیرہ ، ان پر ایمان لے آئیں ۔ باقی آپ کا یہ کہنا کہ (اگر اقوالِ رسول مل جاتے تو مجھے یقین ہے کہ ہر لفظ قرآن حکیم کی تشریح ہوتا اور قرآن پر ایمان لاتے ہی وہ ہمارے دائرۂ ایمان میں شامل ہوتے) بالکل بجا ، اقوالِ رسول واقعی قرآن کی تشریح ہیں اور جو قرآن کو مانتا ہے ، اس کے لئے لازم ہے کہ اس کی تشریح کو بھی مانے ۔

منکر حدیث : رسول اس لئے ہے کہ قوانین کو نافذ کرے ۔ رسولِ خدا جب تک بقیدِ حیات رہے ، صرف انہی قوانین کی تعمیل کراتے تھے ، جن کی تفصیل قرآن نے دی ہوئی تھی ۔ رسول قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کا حکم دینے کی جرأت بھی کر سکتے تھے ، انہیں بار بار کہا جا رہا تھا :

"بلغ ما انزل الیک من ربک "

" اے رسول ، تم وہ احکام امت تک پہنچاؤ ، جو ہم تمہیں دے رہے ہیں "

آپ ایک چھوٹا سا نقطہ پیش نظر رکھیں کہ رسول اکرم صلعم کی دو حیثیتیں تھیں ، وہ پیغمبر بھی تھے ، بشر بھی ، بحیثیت پیمبر ہم ان کی اطاعت پر مامور ہیں اور بحیثیت بشر اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں مکمل آزادی

یعنت
دے رکھی تھی کہ ہم چاہیں تو کھانے پینے، چلنے پھرنے اور گفتگو میں حضور کی روش اختیار کریں یا عدودشر
کا خیال رکھتے ہوئے اپنی پسند، اپنے مذاق، اپنے ملک و ماحول اور اپنے رجحان سے کام لیں: تاریخ
میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ بعض اوقات صحابہ نے آپ کی بشری ہدایات یا مشوروں پر عمل نہیں
کیا تھا۔ مثلاً جب آپ کے غلام زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہی تو آپ نے فرمایا تھا: "امسك
علیك زوجك" (طلاق مت دو) لیکن زید نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ اسی طرح جنگ بدر کے
قیدیوں کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن حضور نہ مانے اور
وحی نے عمر کی تائید کر دی۔ حضور نے گیارہ نکاح کئے تھے لیکن ہمیں اس کی اجازت نہیں حضور
نے ایک اندھے سے بے التفاتی فرمائی تھی جس پر سورۂ عبس نازل ہوئی اور ملک العرش نے
اپنے محبوب کو ایک ہلکی سی ڈانٹ پلا دی۔

اسی طرح چند اور واقعات بھی موجود ہیں۔ جہاں صحابہ نے حضور کے بشری رجحانات سے
آزاد ہو کر اپنی راہ خود نکالی تھی اور یہی اسلام کا سب سے بڑا وصف ہے کہ قرآن کے گنے ہوئے
چند سادہ سے ابدی احکام کے سوا ہم کسی اور ہنگامی یا وقتی روایت کے لئے قطعاً مامور نہیں۔

قائل حدیث: یہ بات ہم بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے احکام نافذ کرتے
تھے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ خود بھی اس پر عمل کرتے اور احکام کی تشریح بھی کرتے تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی حکم دیں، آپؐ وہی احکام بیان فرماتے تھے جن کے بیان کرنے کے مامور
تھے۔ اب نزاع صرف اس امر میں ہے کہ آپؐ نے قرآن کی کیا تشریح کی اور ان پر کس طرح عمل کیا؟
آپ کا یہ خیال ہے کہ ہمارے پاس جناب کی تشریح اور عمل کی کوئی صورت موجود نہیں۔ ہم کہتے ہیں، موجود
ہے! مطلق حدیث کا انکار کرنا تو بدیہیات کا انکار کرنا ہے کیونکہ بہت سی احادیث متواتر ہیں، جن کا
تعلق قرآن کی تشریح اور عملی صورت کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد جو آپ نے ایک نکتہ بیان کیا ہے اور اس نکتہ کے بیان میں حدیث سے مدد لی ہے
(حالانکہ وہ حدیثیں ثبوت کے لحاظ سے ان احادیث سے زیادہ وزنی نہیں جو نماز کے احکام بتلاتی ہیں
اور جن کا آپ انکار کرتے ہیں) اور دعوے کی دلیل میں ایک ایسی صورت اختیار کی ہے، جس سے
دعویٰ ہی باطل ہو جاتا ہے۔ مگر وہ نکتہ ایسا ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں، خاص کر حدیث کے
ماننے والوں کو اس میں کس طرح اختلاف ہو سکتا ہے جب کہ وہ نکتہ حدیثوں سے ہی ثابت ہے۔
مگر نکتہ کی تشریح میں ہمارا آپ کا اختلاف ہے۔ ہم ہر اس قول و فعل و تقریر کو بحیثیت پیمبر تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ

تعلق دین سے ہو۔ اور جس کا تعلق دنیا سے ہو ان امور میں آپؐ کے قول و فعل اور تقریر کو بہ حیثیت بشر دیکھتے ہیں۔ مثلاً آپؐ نے کھجوروں کی تلقیح کے متعلق مشورہ دیا تھا، وہ دنیوی بات تھی۔ اس واسطے آپؐ نے فرمایا:

"انتم اعلم بامور دنیاکم"

اور جو نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، عالم برزخ، عالم آخرت اور دیگر امور بیان فرمائے ہیں وہ دینی امور ہیں۔ اس مسئلہ کی تشریح ذرا طویل ہے۔ اسی طرح آپؐ نے جو بریرہؓ کو مشورہ دیا تھا کہ خاوند کے پاس رہے، وہ دنیوی بات تھی۔ چونکہ یہ ایک مشتبہ بات تھی۔ اس واسطے بریرہ نے پوچھ لیا کہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ، جہاں بات مشورہ کی ہو ظاہر ہے وہ دنیاوی امر ہوگا۔ اس واسطے مشیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورہ دینے کی اجازت ہے مگر مشورہ کے بعد جب آپؐ حکم دے دیں پھر اختیار جاتا رہتا ہے خواہ وہ حکم بہ حیثیت رسول ہو یا بہ حیثیت امیر، فرق صرف یہ ہوگا کہ جو حکم بہ حیثیت امر ہوگا، وہ دائمی نہیں ہوگا۔ اور جو بحیثیت رسول ہوگا وہ دائمی ہوگا!

دوسرا فرق یہ بھی کرتے ہیں کہ جس کام میں رائے کو دخل ہو وہ بحیثیت مجتہد یا مدبر آپ کرتے تھے اور جس کام میں رائے کو دخل نہ ہو وہ بحیثیت رسول کرتے تھے۔ پہلا کام دنیوی اور دوسرا کام دینی ہے۔ آپ نے مثال میں جو کھانے پینے وغیرہ کا ذکر کیا ہے، ان کو قائل حدیث بھی امور دنیوی خیال کرتے ہیں۔ مگر ان امور کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اعتبار سے یہ امور دین میں داخل ہو جاتے ہیں اور ایک لحاظ سے دنیوی بن جاتے ہیں۔ اگر کسی امر دنیوی کے متعلق ثواب و عقاب کا ذکر ہو تو اس حیثیت سے وہ امر دینی بن جاتا ہے مثلاً لباس کا پہننا اگرچہ دنیوی امر ہے مگر ننگا رہنا چونکہ بے حیائی اور گناہ ہے اس لئے یہ مسئلہ دینی بن جائیگا کیونکہ ننگا رہنے پر عقاب کے وارد ہونے کا اندیشہ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ آپؐ نے جو اپنے آزاد کردہ زید کو یہ حکم دیا تھا کہ اپنی بیوی کو رکھ، کیا یہ حکم دینی ہے یا دنیوی؟ تو دراصل یہ ایک دینی حکم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف"

کہ ان کو دستور کے مطابق روکو یا دستور کے ساتھ چھوڑ دو۔

یہ حکم اگرچہ بہ ظاہر مطلق ہے مگر بیان کردہ آیت کی بنا پر مقید ہے۔ اگر تم دستور کے مطابق رکھ سکتے ہو تو اس صورت میں یہی حکم ہے کہ اپنی بیوی کو رکھو، یہ دنیوی حکم نہیں بلکہ دینی حکم مقید ہے اور جب قید نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا۔ یعنی زیدؓ جب اس ناچاقی کی بنا پر، جو دونوں کے مابین ہو گئی تھی، دستور

کے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا تو حکم کا پابند نہ رہا - بلکہ آپ کسی کو اگر نماز پڑھنے کا حکم بھی دیں تب بھی قرآنی شروط کے ساتھ وہ حکم مقید ہوگا - مثلاً ایک عورت کو آپ کہیں، نماز پڑھے تو اس کا مطلب یہی ہوگا، اگر تمہاری حالت حیض کی نہیں تو نماز پڑھو - کیونکہ حائضہ بحکم قرآن طاہرہ نہیں اور نماز کے لئے طہارت شرط ہے:

"ولکن یرید لیطھرکم" الآیۃ

کہ اللہ تعالیٰ، وضو کے حکم سے جو اس نے تم کو دیا ہے، تم کو پاک کرنا چاہتا ہے -

پس زید کا طلاق دینا اس بنا پر نہ تھا کہ یہ حکم آپ کا قرآن کے علاوہ تھا کیونکہ یہ حکم تو قرآن میں موجود ہے، بلکہ اس لئے تھا کہ یہ حکم حقیقت میں مقید تھا اور قید کے نہ ہونے سے اس کا لزوم جاتا رہا - پھر یہ کہنا کہ ہمہ گامی اور وقتی ہدایت کے لئے قطعاً مامور نہیں - اس کا یہ مطلب ہوا کہ حاکم کی اطاعت کے مامور نہیں - پہلے اقرار اور اب انکار، وقتی الطاعت بلا شرط مامور نہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت رسول ہونے کے دائمی ہے -

---